عربی زبان اور خوشحال مسلمان

(از مولانا عبدالرؤف خانصاحب رحمانی نائب ناظم مدرسہ سراج العلوم ضلع بستی)

(۲)

انگریزی تہذیب و تمدن مسلمانوں کا کوئی علاج نہیں

پھر یہ بھی سوچئے کہ انگریزی ڈگریوں کے حصول کی طرف عوام و خواص کی توجہ محض اس لئے ہے کہ ہم اس ذریعہ سے اور زیادہ مہذب و متمدن قوموں میں شمار ہونے لگیں اور تعلیم و تہذیب کا کوئی خطاب ان کو عطا ہوگا مگر یہ بھی غلط ہے۔ برطانوی فلسفی مفکر جو لندن یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ کے صدر ہیں اپنی تازہ تصنیف میں لکھتے ہیں کہ معدہ اور جیب کی اس فرماں روائی کے عہد میں کسی بات پر غور و توجہ بیکار سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ لوگ اسی کو شوق سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں جس میں ان کے پیٹ اور معدہ کے لئے کوئی انتظام بتلایا جارہا ہو اور جس سے جیب گرما گرم رہ سکتے ہوں وہی حاصل کریں۔ لیکن بہرحال ہم کو ظاہر طور پر یہ اعتراف کرنا ہے کہ ہمارا تمدن کسی سخت مرض میں مبتلا ہے۔ ہمارا تمدن حسد آفریں ہے اور حرص و ہوس کا مجموعہ ہے۔ سائنس نے ہم کو یہ قوتیں عطا کردی تھیں جو دیوتاؤں کی شایانِ شان تھیں، لیکن اس کے استعمال میں ہماری ذہنیت وحشیوں کی سی ہے۔ اب سائنس کی قوت قابو سے باہر ہوچکی ہے اور ہمارا تمدن قعرِ ہلاکت کے قریب ہوچکا ہے (صدق ۲۴ر اگست سنہ ۱۹۶۳ء) اس اقتباس سے یہ واضح ہوا کہ تمدن یورپ کے مطابق اپنی مذہبیت اور اس تہذیب کے مطابق اپنی ذہنیت کا ڈھالنا سخت غلطی ہے وہ تو باقرارِ خود گم کردہ راہ ہیں اور اپنی اس غلط تہذیب و تمدن کے ہاتھوں تخریب کے خاتمے پر آچکے ہیں۔ پس ہم کو اُن کی تہذیب و تعلیم اور اُن کے مشاہرہ و تنخواہوں اور منافع و آمدنیوں کو ہرگز للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھنا مناسب نہیں ہے۔ یہ مشورہ غلط ہے کہ چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ اگر آج زمانہ فرنگی تہذیب کا ہے تو آپ پتلون و پینٹ بن گئے ہیں کل اگر رام راج ہوجائے تو آپ دھوتی پرشاد اور چوٹی دار بن جاوینگے گویا نہ آپ کی کوئی مستقل تہذیب ہے نہ آپ کا کوئی مضبوط تمدن ہے۔ شاعر نے ہر دھارے پر بہ جانے والا تنکا آپ کو بتادیا ہے لیکن مسلمان تنکا نہیں ہیں بلکہ وہ ایک اسلامی شجر ہیں جن کی ڈالیاں اور جڑیں مضبوطی سے قائم ہیں ارشاد ہے مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء یعنی مسلمانوں کے کلمۂ طیبہ قول و اقرار اور عمل و کردار کی مثال ایک پاک درخت کی ہے جس کی جڑیں ثابت و پائیدار ہیں اور جس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں مسلمان وہ ہیں جو زمانہ میں انقلاب اور زمانہ کی اصلاح کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس

تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر بہ زمانہ کو بدلتے اور زمانہ کو غلط تہذیب و غلط راستہ سے بچاتے آئے ہیں اور یہی لوگ قابلِ تعریف ہیں بقول شاعر ؎

اس پہ کیا ناز کہ بدلا ہے زمانے نے تمہیں   مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

انگریزی تعلیم موجبِ زحمت ہے

واقعہ یہ ہے کہ انگریزی کے فارغ التحصیل ڈگریاں پاتے ہوئے کثرت سے خالی ہیں۔ عہدے اور کام بہت کم ملتے ہیں اور چونکہ کالجوں میں یونیورسٹیوں میں رہ کر وہ پورے عشرت پرست ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اب عہدوں کے نہ ملنے پر اُن کی زندگیاں پھر موجبِ زحمت بن جاتی ہیں۔ ماں باپ کے لئے بوجھ ہو جاتے ہیں۔ اس بارہ میں مفتی عبد اللطیف صاحب سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کا قول نہایت صحیح ہے کہ انگریزی کے طالب علم بچپن سے لے کر آخر عمر تک ملک پر غیر معمولی بار رہتا ہے یعنی طالب علمی میں تو اپنے والدین کا کثیر روپیہ خرچ کرتا ہے اور کامیاب ہو کر جب بڑی تنخواہیں پاتا ہے تو اس کا بھی بار ملک کے غرباء کے جسموں پر پڑتا ہے کیونکہ تنخواہ کا خرچہ آخر ہندوستان ہی کے بجٹ سے نکالا جاتا ہے تو غریب ملک پر طرح طرح کے ٹیکسوں کو لگا کر حاصل کیا جاتا ہے اور اس طمع آفریں عہدوں اور خوفِ خدا سے بے پرواہ ہو ساتھیوں کا اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ حکومت کے انگریزی خواں عہدہ داران اور انگریزی داں افسران امراء و غرباء سے موقعہ بے موقعہ خوب رشوتیں لیتے ہیں اور پھر بھی جوع الارض اور ان کی ہوس رانی ختم نہیں ہوتی مثلاً ۱۹۴۵ء کا تازہ واقعہ عرض کروں کہ کنٹرول کا کپڑا غریبوں کے لئے ۱۲ گز میں ملنا تجویز ہو کر آیا تو اکثر بازاروں میں صرف چوڑا مزید نذرانہ کا بارِ غرباء پر ڈال دیا گیا جس کو مال مردم خور حاکموں، داروغوں سے لے کر قانون گو تک نے ہضم کر لیا۔

مسلمانوں کا نظامِ تعلیم موجبِ برکت ہے

اس کے برخلاف مسلمانوں کی عربی تعلیم کا انتظام اس قسم کا تھا کہ وہ دین و دنیا کے لئے بابرکت اور مفید تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر کی شہادت لیجئے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وہ تھا جو بڑے سے بڑے ذمہ داری کے عہدوں کے لئے نوجوانوں کو تیار کرتا تھا اور اُن کو اعلیٰ درجہ کی ذہنی تربیت دی جاتی تھی اور یہ نظامِ تعلیم تمام دیگر تعلیمی نظاموں سے بدرجہا فائق تھا (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۵۷) مگر ایسے نافع نظام کو حکومت نے ہر طرح سے کچل دیا اور اسکو عملاً ختم کر دیا۔

سلطنتِ مغلیہ کے شاہی اوقاف اور علومِ عربی کے زوال کی تاریخ

ڈاکٹر ہنٹر کے حوالے سے مسلمانوں کا روشن مستقبل نامی کتاب میں یہ تصریح موجود ہے کہ مسلمان ریاستوں نے جو معافیات اور اوقاف مسلمانوں کی تعلیم کے لئے دی تھیں۔ ان کا تخمینہ صوبۂ بنگال کے رقبہ کے چوتھائی سے کم نہ تھا جب ۱۸۳۸ء میں انگریزی حکومت نے ضبط کر لیا۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے نظامِ تعلیم پر ضرب کاری لگی۔ انہیں ضبطیوں سے مسلمانوں کے علمی زوال کی تاریخ شروع ہوئی (روشن مستقبل ص ۱۵۸)۔ اس سے پہلے لارڈ ولیم وائسرائے نے بھی تعلیمی وظائف سے ہٹا کر

انگریزی تعلیم پر صرف کرنا شروع کر دیا تھا۔

انگریزی اقتدار سے پہلے علمائے دین کا دور دورہ

علمائے فرنگی محل لکھنؤ انگریزی تسلط سے پہلے کس شان کے عالم تھے مولانا نظام الدین درس نظامیہ کے بانی مبانی اور اُن کے صاحبزادے مولانا عبدالعلی وغیرہ مثال کے لئے کافی ہیں۔ اسی طرح علماء دہلی میں ایک بڑی مقدس ہستی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تھی جو ۱۲۰۳ھ عالمگیر اورنگ زیب کے انتقال کے چار سال بعد عالم وجود میں آئی۔ آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب پھر شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب وشاہ عبدالغنی صاحب اور اُن کے پوتے شاہ محمد اسحاق و شاہ محمد اسمٰعیل شہید وغیرہ گذرے۔ اس وقت دہلی و لکھنؤ کے علاوہ کلکتہ۔ مدراس اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہر اور قصبات علمی زندگی کے سرچشمے تھے۔ سید احمد بریلوی۔ اور اُن کے خلفائے کرام اور صوبہ بہار کے مولانا ولایت علی صاحب پٹنوی، مولانا یحیٰی صاحب بہاری وغیرہ، اسی طرح علی گڈھ کے اطراف وجوانب کے مولانا عنایت علی صاحب مولف علم الصیغہ، مولانا لطف اللہ صاحب، مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ازالۃ الشکوک والے، مولانا ابو المنصور صاحب امام مناظرۂ عیسائیاں، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی وغیرہ کیسے علم وفضل کے لوگ گذرے ہیں، غرض اس وقت تمام ہندوستان میں کوئی ایسا قصبہ موجود نہ تھا جو علمی اداروں کی درسگاہوں سے خالی رہا ہو۔ اس علمی تاریخی دور پر زوال تو جب آیا کہ حکومت نے شاہی اوقاف کو علم عربی سے ہٹا کر واقفین کے منشاء کے خلاف انگریزی علوم پر لگا دیا اور حکومت نے عربی فاضلوں کی عزت وقیمت اردو کے مڈل پاس کے مقابلہ میں بھی گرا دی۔

خوشحال مسلمانوں نے میکالے کی روح کو خوش کیا

لارڈ میکالے نے انگریزی کو فروغ دے کر عربی کو مٹا کر یہ چاہا کہ مسلمان نام کے مسلمان رہ جائیں اور عملاً انگریزی تہذیب وتعلیم کے ہو رہیں۔ خوش باش مسلمانوں نے سچ مچ وہی کر دکھایا۔ مورخ جلیل علامہ سید سلیمان ندوی کو معارف میں کہنا پڑا کہ یہ بات افسوس کے ساتھ دیکھی جا رہی ہے کہ اعلیٰ گھرانوں سے عربی زبان کی تعلیم بالکل فنا ہو گئی ہے اور گویا مذہبی تعلیم کا سارا بوجھ غریبوں کے کندھوں پر رہ گیا ہے۔ کیا کھاتے پیتے خوشحال گھرانوں نے امت محمدیہ کے دفتر سے اپنا نام کٹوا لیا ہے جو مسلمان روز بروز اپنی مذہبی زبان سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ سارے عربی مدرسوں کا جائزہ لے لیجئے شاید ہی کسی دولت مند رئیس یا اعلیٰ شریف گھرانے کے لڑکوں کو آپ علم عربی میں مصروف پائیں گے

(معارف بابتہ نومبر ۱۹۳۹ء)

عربی چھوڑ کر انگریزی پڑھنے کا ایک حیلہ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو دیگر زبانوں کے سیکھنے کی ہدایت فرمائی تھی تاکہ اُن قوموں کے خطوط پڑھ

سکیں اور ان کے جوابات اسی زبان میں لکھ سکیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر زبانوں کا سیکھنا جرم نہیں ہے

الجواب

ایسے حیلہ جو حضرات کے حق میں اقبال مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند

اس شبہ میں ایک پہلو سائل نے نظر انداز کر دیا وہ یہ ہے کہ جس صحابی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیگر زبان کے سیکھنے کی ہدایت فرمائی تھی ان کی مذہبی حالت کیا تھی۔ بلا شبہ اس کا جواب یہی ہے کہ وہ مذہب پرست خدادان اور حق آگاہ تھے۔ اُن کے اوپر اس دیگر زبان کے سیکھنے سے کسی اثرِ بد کا کوئی اندیشہ نہ تھا، وہ پکے خدا پرست عاشقِ سنت لوگ تھے، تو ہم اسی طرح مذہبی حالت کی پختگی کے بعد اجازت دیتے ہیں کہ بچوں کو انگریزی پڑھائیے تاکہ ان کا دماغ انگریزی کے زہریلے لٹریچر سے ماؤف نہ ہو اور یورپ کے اقوال و نظریات اور فلسفہ کے دلدادہ ہو کر یورپین تہذیب و معاشرت کو برتر نہ سمجھ بیٹھیں اور تاکہ اسلام سے بیگانگی نہ پیدا ہونے پائے۔

خوشحال مسلمانوں کے ایک خیال کی تغلیط

روشن خیال حضرات اسی موقع پر یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ انگریزی تعلیم کا اثر اُن طلبہ پر پڑتا ہے جن کے ماں باپ متدین اور دیندار نہ ہوں۔ لیکن جن بچوں کی فضا دیندارانہ ہو اور اُن کے ماں باپ نماز روزہ حج زکوٰۃ کے پابند ہوں، تمام اسلامیات اور اس کی تمام جزئیات کے عمل پیرا ہوں تو برابر شرعِ اسلامی پر چلنے کی اُن کو ہدایات دے کر سید ھا کر لیتے ہیں یا وہ بچے اپنے اسی دینی ماحول کی وجہ سے غیر دینی اور غیر اسلامی حرکات و اعمال سے خود ہی محترز رہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آجکل کے ماں باپ ان بزرگانہ اوصاف و کمالات سے خود ہی خالی ہیں جو ایک نسل آگے خود ان ماں باپ کے ماں باپ میں تھی مطلب یہ ہے کہ شرعی احترام اور مسائلِ اسلامیہ پر عملی اقدام اب آجکل کے ماں باپ میں خود ہی نہیں تو (تا بجائے دیگراں چہ رسد)۔ حضرت اقبال کا شعر اس جگہ یاد آیا ؎

اپنے اشتر کو یہ کیا لے جائیگا سوئے حجاز
مست ہے خود بینڈ کی گت پر حدی خوانِ نو

علاوہ ازیں یہ خیال خود ہی غلط ہے کہ فضا تعلیم کے مقابلے میں مؤثر ہو گی۔ فضا کتنی ہی دینی اور ماحول کتنا ہی اسلامی ہو لیکن جو شخص تعلیم اور درسی تعلیم اس فضا کے خلاف پڑھا ہو اس کو اسلام دشمنی کے سبق پڑھائے جاتے ہیں غلط تاریخ اور یورپ کے غلط نتائج تحقیق سامنے کر دیئے گئے ہوں وہ اس فضا کو مقدس کب سمجھ سکتا ہے یا کم از کم اس فضا سے مانوس کب ہو سکتا ہے۔ اس کا دل تو تعلیم بدل جانے سے بدل چکا ہے۔ اکبر نے خوب کہا ہے ع دل بدل جاتے ہیں تعلیم بدل جانے سے۔ پس میں دینی فضا اور اسلامی ماحول کو اُن کے لئے مفید سمجھتا ہوں جن کے دل اسلامی عقائد و خیالات کے دشمن نہ ہو چکے ہوں اور جو پہلے ہی دماغ مفلوج قلب مسموم خیال لیکر ہمارے ماں باپ کے سامنے آتے ہیں اُن میں اطوارِ اسلامی اور اوصافِ دینی کی تلاش فضول ہے۔ بقول اکبر مرحوم ؎

طفل میں بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ تو ڈبے کا ہے تعلیم ہے سرکار کی

(باقی)